Fikr-o-Nasar (Islamabad) 11:3 (1973)

عصمت امت اور عصمت انبیاء

احمد حسن

عصمت ، خطا سے محفوظ ہونے کو کہتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تصور کے پیچھے اعتماد کا جذبہ کار فرما ہے ۔ انسان اپنی زندگی میں بہت سی چیزوں پر اس لئے اعتماد کرتا ہے کہ ان کی صحت کار کردگی اور نفع بخش ہونے پر اسے یقین ہوتا ہے ۔ قوانین فطرت پر وہ ان کی باقاعدگی کی وجہ سے بھروسا کرتا ہے ۔ ضمیر کی آواز پر وہ اس لئے بھروسا کرتا ہے کہ وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے ۔ قانون پر وہ اس لئے عمل کرتا ہے کہ وہ معاشرہ کی بھلائی کے لئے بنایا جاتا ہے ۔ عقل پر اس کو اس لئے وثوق ہوتا ہے کہ اس سے وہ خوب و زشت میں تمیز کرتا ہے ۔ بعض کہاوتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ماہر فن، حاکم اعلی، یا قابل احترام و لائق اعتماد شخصیت پر بھروسا کرنے کا رجحان انسان میں قدیم سے پایا جاتا ہے ۔ مثلاً ''ماہر فن پر بھروسا کرو''، یا ''بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا''، یا '' اسقف اعظم سے خطا سرزد نہیں ہوسکتی''، وغیرہ اقوال اسی رجحان کی پیداوار ہیں ۔ عقل پر اعتماد کی بنا پر اس کو دور قدیم میں ''خطا سے محفوظ''، اور ''ترجمان حق'' سمجھا گیا ۔ یہی اعتماد اگر کسی انسان پر اس وجہ سے ہو کہ خدا کی طرف سے اس پر وحی آتی ہے، یا اسے الہام ہوتا ہے، یا وہ جو باتیں بتلاتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہیں ، اور خدا غلطی اور خطا سے اس کی حفاظت کرتا ہے تو اس کو اصطلاح میں ''عصمت'' کہتے ہیں ، اور اسی شخص کو معصوم کہا جاتا ہے۔ (۱)

انسان چونکہ طبعی طور پر کمزور ہے، اس لئے اس کے سارے کام قطعی

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : Enc. of Rel. and Ethics, art. "Infallibility".

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

طور پر درست اور مکمل نہیں کہے جاسکتے۔ اسی فطری کمزوری کے سبب، جس کی طرف قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے،۲ وہ اپنی زندگی سے متعلق قانون سازی میں کسی ایسی شخصیت کو حاکم اعلی بناتا ہے جس پر اسے اعتماد ہو اور جو اس کی نظر میں خطا و قصور سے بالاتر ہو۔اس قسم کارجحان عام طور پر مذہبی گروہوں میں پایا جاتا ہے،۳ اگرچہ لامذہب اقوام بھی اسی کمزوری کے پیش نظر کسی کی حاکمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی قوانین کسی نہ کسی اعلی معصوم شخصیت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام قابل ذکر مذاہب میں جو قوانین پائے جاتے ہیں ان میں کم و بیش یہ وصف موجود ہے۔ بدھ مت، ہندو مذہب، یہودیت اور عیسائیت میں، قانون کی بنیاد الہامی کتابوں پر ہے، یا روایات کلیسائی نظام پر۔ ان سب کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ وہ ایک معصوم شخصیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان مذاہب میں بھی چونکہ نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے، اس لئے وہ اپنے اجتہاد اور کلیسائی نظام کے ذریعہ ہر دور میں نئے قوانین بناتے ہیں۔ اسلام میں نظام قانون کی بنیاد بھی وحی الہی پر رکھی گئی اور یہ وحی خداوندی قرآن مجید کی شکل میں محفوظ ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے خدا چونکہ خالق کائنات ہے، اور علیم و قدیر ہے، اس لئے وہ انسان کے بھلے برے کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ یہ خدا ہی بہتر سمجھتا ہے کہ کون سے کام اچھے ہیں اور کون سے برے، کون سے کام اسے کرنے چاہئیں اور کن کاموں سے اسے بچنا چاہئے۔ معتزلہ کے نزدیک افعال کے حسن و قبح کی تعیین عقل کرتی ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک شارع افعال کی اچھائی و برائی کو بتلاتا ہے۔ اس لئے موجب حقیقی شارع ہے نہ کہ عقل۔ اسی بنا پر قانون سازی کے سلسلہ میں قرآن مجید کو ایک اساسی حیثیت، حاصل ہے۔

---

(۲) قرآن مجید، ۴ : ۲۸۔

(۳) H. A. R. Gibb. Mohammedanism, London, 1961, p. 90

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ قرآن و سنت میں موجود احکام کے علاوہ وہ وحی کے ذریعہ یا پیغمبر سے براہ راست جدید مسائل میں احکام معلوم کرنے کا مسلمانوں کے پاس اب کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ اسی طرح شخصی اجتہاد سے معلوم کئے ہوئے احکام کی توثیق بھی وحی سے نہیں ہوسکتی تھی۔ اس ضرورت کے پیش نظر اجتہاد و اجماع کے اصول وضع کئے گئے۔ دنیا میں جوں جوں اسلام پھیلتا گیا، اسلامی معاشرہ و تمدن میں وسعت آتی گئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسلامی معاشرہ اب ایک سیدھا سادھا عرب معاشرہ نہیں رہا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے ایک اہم سوال یہ تھا کہ نئے مسائل میں اجتہاد کی بنیاد پر معلوم کئے ہوئے احکام کی صحت کا کس طرح یقین کیا جائے، کیونکہ عقل و رائے غلطی سے محفوظ نہیں ہیں اور نزول وحی کا امکان اب قطعی طور پر ختم ہوچکا ہے۔ ان حالات میں اہل سنت کے درمیان عصمت امت مسلمہ اور عصمت اجماع کے تصورات پیدا ہوئے ۔ اور شیعوں نے امام کو معصوم مان کر اس کے فیصلوں کو آخری سند ٹھہرایا ۔ عصمت امت یا عصمت امام کو وحی کا بدل تو نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے عصمت کا یہ تصور ظہور میں آیا۔

وحی کا سلسلہ بند ہونے کے بعد اسلام میں اس تصور عصمت کا آغاز کب اور کیسے ہوا، یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس کے ارتقاء کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ عصمت انبیاء کا تصور ابتداء ہی سے اسلام میں موجود تھا۔ اس کی طرف قرآن مجید میں واضح اشارے موجود ہیں ۔ پروفیسر گب کا یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا کہ عصمت انبیاء کا عقیدہ شیعوں کے عصمت امام کے عقیدہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔[۴] پروفیسر موصوف کو یہ وہم غالباً اس لئے ہوا کہ علم الکلام کے ابتدائی دور کی تصانیف

---

(۴) Mohammedanism, New York, 1955, p. 98.

میں یہ عقیدہ صراحۃً نہیں ملتا۔ چنانچہ ابو الحسن اشعری (متوفی ۳۳۰ھ) نے اپنی کتابوں میں جن عقائد کا ذکر کیا ہے ان میں عصمت انبیاء کا ذکر واضح طور پر موجود نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ یہ تصور سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ خود اسی دور میں راوندی (متوفی ۲۹۸ھ) اور خیاط (متوفی ۳۰۰ھ) کی تصانیف میں اس کے اشارے ملتے ہیں۔۵ اس سلسلہ میں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ غالباً سنیوں اور شیعوں کے درمیانی عصمت امام کے مسئلہ پر مناظروں کے نتیجہ میں یہ تصور قوت کے ساتھ ظاہر ہوا، اور بعد میں اہل سنت کے عقائد میں بنیادی عقیدہ کے طور پر علم الکلام کی کتابوں میں اس کو جگہ دی گئی۔ چنانچہ اہل سنت نے انبیاء کے سوا کسی کو معصوم تسلیم نہیں کیا۔ چونکہ شیعوں کی ابتدائی دور کی تصانیف موجود نہیں ہیں اس لئے یقینی طور پر یہ بتلانا مشکل ہے کہ عصمت امام کا تصور عقیدہ کے طور پر ان کے یہاں کس دور میں ظاہر ہوا۔ شیخ کلینی (متوفی ۳۲۹ھ) کی مشہور تصنیف الکافی میں عصمت امام کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔۶ پروفیسر ڈونالڈسن کا خیال ہے کہ بنوبویہ (۳۳۴ - ۴۴۰ھ) کے دور حکومت میں عصمت امام کا تصور شیعوں میں ظاہر ہوچکا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس دور میں سید المرتضی علم الہدی نے عقائد پر ایک کتاب تبصرة العوام کے نام سے لکھی۔ اس کے مصنف نے عصمت امام کے متعلق سنیوں کے اعتراضات کے جوابات مناظرانہ رنگ میں دئیے ہیں۔۷ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ فارابی (متوفی ۳۳۰ھ) نے رئیس ثانی کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے شیعوں کے تصور عصمت امام کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسی خیال کو افلاطون نے اس سے پہلے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ ریاست کا

---

(۵) الخیاط۔ کتاب الإنتصار۔ قاہرہ ۱۹۵۲ء۔ ص ۹۴۔

(۶) الکلینی۔ الاصول من الکافی۔ تہران۔ ۱۳۲۲ھ۔ ج ۱ - ص ۳۹۰۔

(۷) عقیدة الشیعہ (عربی ترجمہ) ص ۳۲۹۔

حکمراں ایک کامل انسان ہونا چاہئے ۔ آگے چل کر کاملیت کی یہ صفت ایک اصول ، پھر ایک عقیدہ کی شکل میں ظاہر ہوئی ۔ اسی کاملیت کو عصمت کہا گیا ۔ افلاطون، فارابی، شیخ طوسی، اور علامہ حلی تک یہ تصور اپنے مختلف ارتقائی مراحل سے گذرا ۔ ۸

ہمارے خیال میں انقطاع وحی کے بعد سب سے پہلے عصمت امت کا تصور ظہور پذیر ہوا ، اور اسی کے رد عمل کے طور پر عصمت امام کا تصور پیدا ہوا ۔ عصمت امت کا تصور واقعہ تحکیم کے بعد خوارج کی بحث و تمحیص کے نتیجہ میں ابھرا ۔ ان کا خیال تھا کہ خلافت کے مسئلہ میں پوری امت مسلمہ سے غلطی ہوئی۹ ۔ لیکن شیعوں نے اس خطا کو پوری امت کی طرف منسوب نہیں کیا ۔ ان کا دعوی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے حضرت علی کو خلیفہ اول مقرر فرمایا تھا ۔ لیکن یہ حق آپ کو ابتداء میں نہ مل سکا ۔ اس لئے امت کی اکثریت سے اس میں غلطی ہوئی۱۰ ۔ اہل سنت نے اس مسئلہ میں اپنا نقطہ نظر یہ پیش کیا کہ امت مسلمہ کا اتفاق کسی گمراہی پر نہیں ہوسکتا ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے ۔ اس موقع پر عصمت امت کا تصور اہل سنت کے درمیان خوارج و شیعوں کے نقطۂ نظر کے مقابلہ میں قوت کے ساتھ ابھرا ۔

علماء اصول نے مسئلہ عصمت امت پر اصول فقہ کی تمام اہم کتابوں میں تفصیل سے بحث کی ہے ۔ اور اجماع کا اصول اسی تصور پر قائم ہے ۔ امام غزالی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

---

(۸) G. E. Von Grunebaum, Islām, London, 1961, p. 134; Rosenthal, E. I. J. Political thought in Medieval Islam, Cambridge, 1958, pp. 133-39; Watt, Islamic Philosophy and Theology, Edinburgh, 1962, p. 55. نیز ملاحظہ ہو فارابی کی کتاب آراء المدینۃ الفاضلہ، مطبوعہ بیروت ۔ ص ۱۰۵ - ۱۰۷

(۹) الخیاط ۔ کتاب الانتصار، ص ۱۵۹ - ۱۶۰ ۔

(۱۰) النوبختی ۔ کتاب فرق الشیعہ ۔ استانبول ۔ ۱۹۳۱ھ، ص ۱۶ ۔

تظاهرت الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالفاظ مختلفة مع اتفاق المعنى فى عصمة هذه الامة من الخطاء ۔ واشتهر على لسان المر موقين والثقات من الصحابة كعمر و ابن مسعود و ابى سعيد الخدرى و انس بن مالك، وابن عمر، و ابى هريرة و حذيفة بن اليمان وغير هم ۔ من نحو قوله صلى الله عليه وسلم لاتجتمع امتى على الضلالة ۔ ١١

امت مسلمه کے خطا و گمراهی سے محفوظ هونے کے بارے میں آنحضرت صلی الله علیه وسلم سے مختلف الفاظ کے ساتھ جن کا مفهوم ایک هی هے مسلسل روایت چلی آتی هے ۔ اور ممتاز و معتبر صحابه جیسے حضرات عمر، ابن مسعود، ابوسعید خدری، انس بن مالک ، ابن عمر، ابو هریره، اور حذیفه بن الیمان وغیره کی زبان پر مشهور رهی هے آنحضرت صلی الله علیه وسلم کی وه حدیث یه هے که میری امت گمراهی پر اتفاق نهیں کرے گی

اس کے بعد امام غزالی اسی مفهوم کی دوسری متعدد احادیث نقل کرتے هیں اور پهر فرماتے هیں که یه سب احادیث اخبار احاد هیں، اور متواتر نهیں هیں ۔ لیکن ان متفرق احادیث سے مجموعی طور پر یه بات آپ نے بتلائی هے که امت مسلمه خطا سے محفوظ هے ۔ درحقیقت آنحضرت صلی الله علیه وسلم نے اس بات سے امت کی شان کو بلند فرمایا هے ١٢ ۔

یهاں سوال یه پیدا هوتا هے که حضرت علیؓ کی خلافت میں هی ان تصورات کے ابهرنے کا محرک کیا تها ۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے دوران یه سوالات کیوں نهیں اٹهائے گئے ۔ اس کا جواب غالباً یه هوسکتا هے که حضرت ابو بکرؓ کے خلیفه منتخب هونے کے بعد سے اس قسم کے سوالات ذهنوں میں موجود تهے ۔ اور ابتداء میں اس مسئله میں خود صحابه کے درمیان اختلاف رائے پایا

---

(١١) المستصفى ۔ قاهره، ١٩٣٧ ۔ ج ١ ۔ ص ١١١ ۔

(١٢) ایضا ۔ ج ١ ۔ ص ١١١ ۔ ١١٢ ۔

جاتا تھا۔ حضرت علی کی خلافت کے وقت تک یہ مواد پکتا رہا۔ جب خوارج نے حضرت علی کی تکفیر شروع کردی تو اس کا ردعمل بھی انتہا پسندی تک ہونا ناگزیر تھا ۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں اس قسم کے سوالات کبھی نہیں چھیڑے گئے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے یا نہیں ۔ تحکیم کے واقع کے بعد خوارج نے اس قسم کے سوالات اٹھانے شروع کئے۔ جس کے نتیجہ میں مختلف گروھوں نے اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ھوسکتا ھے کہ داخلی جنگوں کے بعد حالات نے سنگین صورت اختیار کرلی تھی ، اس قسم کا فکری انتشار حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں موجود نہیں تھا۔

جب یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرلی گئی کہ امت مسلمہ کے مجموعی فیصلے غلطی اور خطا سے محفوظ ھیں تو اس وقت شخصی رائے، اور خبر واحد کی صحت کے بارے میں شبہات کئے جانے لگے۔ بعض معتزلہ کی طرف سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ امت افراد کا مجموعہ ھے ، جب انفرادی رائے خطا و غلطی سے محفوظ نہیں ھے تو امت — جو افراد کا مجموعہ ھے — کی رائے کیسے خطا سے محفوظ ھوسکتی ھے ؟ — چنانچہ نظام نے خبر واحد اور اجماع کی حجیت سے انکار کردیا۱۳ ۔ معتزلہ کے اس قسم کے سوالات سے عصمت امت کے تصور کو مزید تقویت پہنچی۔ اور امت کے فیصلوں کو غلطی سے محفوظ ھونے میں تقریباً وحی کے برابر سمجھا گیا۔ اھل سنت کی طرف سے معتزلہ کے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ شخصی رائے اور خبر واحد صحت میں امت کے مجموعی فیصلوں کے برابر نہیں ھوسکتی کیونکہ فرد اور جماعت دو مختلف چیزیں ھیں، ان کو ایک دوسرے کے مساوی نہیں کہا جاسکتا۔ فرد جماعت میں گم ھوجاتا ھے، اور اجتماعی فیصلوں میں اس کی رائے کی حیثیت وہ نہیں ھوتی

---

(۱۳) ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، قاھرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۱ - فخرالدین الرازی، اعتقاد فرق المسلمین والمشرکین، قاھرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۳۱ -

جو جماعت سے باہر رہ کر ہوتی ہے۔ اس لئے امت اسلامیہ کے اجتماعی فیصلے خطا سے بالا تر ہوتے ہیں۱۴۔

عیسائیت میں کلیسا کے فیصلوں کو خطا سے بری سمجھا جاتا ہے۔ عصمت کے اعتبار سے یہ اجماع کے متوازی ہے۔ عیسائیت میں کلیسا حضرت عیسی کے جسد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلیسا کے ایک منظم ادارہ بننے سے پہلے پادریوں کے اجتماعی اور مجلسی فیصلوں کو خطا سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۱۵۔ اسلام میں خدا سے اس طرح بالواسطہ تعلق نہیں ہے جیسے عیسائیت میں حضرت عیسی اور روح القدس کی عصمت کے واسطہ سے ہے۔ کلیسا کے فیصلوں اور ہمارے اجماع کے فیصلوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اول الزکر میں پاپائے اعظم اور پادریوں کی جماعت کو معصوم سمجھا جاتا ہے، لیکن اسلام میں پوری امت کے متفقہ فیصلوں کو معصوم سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، عیسائیت میں کلیسا ایک منظم ادارہ ہے، جس میں باقاعدہ عہدے دار ہیں، لیکن اسلام میں اجماع کی حیثیت ایک منظم ادارہ کی نہیں ہے۔ اجماع سے درحقیقت مقصود یہ تھا کہ اجتہاد میں شخصی رائے سے جو انتشار اور بدنظمی پیدا ہونے کا امکان تھا اس کو روکا جائے۔ تاکہ امت اسلامیہ ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہوسکے۔

عصمت امت کے بعد عصمت انبیاء کا مسئلہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اہل علم نے اس سے متعلق چار پہلوں پر گفتگو کی ہے۱۔ عقیدہ میں خطا۔ (۲) تبلیغ میں خطا (۳) شخصی رائے و اجتہاد میں خطا (۴) اور ذاتی کردار میں خامی۔ انبیاء کے عقیدہ کے بارے میں پوری امت کا اتفاق ہے کہ وہ کفر و الحاد سے محفوظ ہوتے ہیں۔ خوارج میں صرف فرقہ فضیلیہ کا یہ خیال ہے کہ انبیاء سے کفر کا ارتکاب ممکن ہے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ خوارج

---

(۱۴) اصول السرخسی۔ قاہرہ۔ ۱۳۷۲ھ۔ ج ۱۔ ص ۲۹۵۔

(۱۵) Timothy Ware, The Orthodox Church, Bungay Suffolk, 1936, p. 252.

کے نزدیک ارتکاب گناہ کفر ہے۔ روافض کی رائے ہے کہ تقیہ کے طور پر وہ کلمہ کفر کہہ سکتے ہیں۔ پیغام الٰہی و احکام خداوندی کی تبلیغ کے سلسلہ میں بھی امت کا اجماع ہے کہ ان سے قصداً یا بھول کر کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ ایسے مسائل میں جن میں وہ اپنی رائے اور شخصی اجتہاد سے کوئی حکم بتلائیں، قصداً ان سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ ہاں سہواً غلطی ممکن ہے، اور اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ارتکاب گناہ کا مسئلہ بھی نزاعی ہے۔ فرقہ حشویہ کا خیال ہے کہ صغیرہ و کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کا صدور ان سے ممکن ہے۔ ایک اور گروہ کی رائے ہے کہ ان سے قصداً کوئی معصیت سرزد نہیں ہوسکتی۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ صغیرہ گناہوں کا ارتکاب قصداً ممکن ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوسکتے، تاہم شخصی اجتہاد میں ان سے غلطی ہوسکتی ہے۔ یہ رائے جبائی کی طرف منسوب ہے۔ ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ اجتہاد میں ان سے قصداً یا سہواً کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ سہواً کوئی معمولی سی لغزش ہوسکتی ہے۔ اور اس پر بھی خدا ان کو سرزنش کرسکتا ہے۔ یہ رائے نظام کی طرف منسوب ہے۔ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء سے کوئی گناہ، صغیرہ یا کبیرہ، قصداً یا سہواً، سرزد نہیں ہوسکتا۔ اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ انبیاء ساری عمر معصوم رہتے ہیں، یا نبوت ملنے کے بعد وہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک وہ معصوم رہتے ہیں۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ عصمت کی ضرورت نبوت ملنے کے بعد ہوتی ہے۔ نہ کہ اس سے پہلے۔ تاہم ان کا کردار نبوت ملنے سے پہلے بھی بے داغ ہوتا ہے۔ ان تمام اختلافات کو نقل کرکے فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ انبیاء سے قصداً کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوسکتا

سہواً کوئی غلطی ہوسکتی ہے۔١٦

عصمت انبیاء کا تصور دوسری صدی ہجری کے اسلامی ادب میں واضح طور پر ملتا ہے۔ امام شافعی (متوفی ٢٠٤ھ) نے وحی کی دو قسمیں بتلائی ہیں ١٧، متلو و غیر متلو۔ اور غیر متلو سے مراد سنت ہے۔ اور وحی کا خطا سے محفوظ ہونا ظاہر ہے۔ وحی کی یہ تقسیم ان سے پہلے نہیں ملتی۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اس تصور کا آغاز امام شافعی سے ہوتا ہے۔ عصمت نبی کا آغاز، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، ابتداء اسلام سے ہی ہونا چاہئے۔ امام شافعی کی وحی کی اس تقسیم سے قرآن مجید کے متوازی ایک ایسا ماخذ قانون جو غلطی سے مبرا ہو، سامنے آتا ہے۔ امام شافعی کے دور میں سنت اور حدیث کی اصطلاحیں مترادف بن چکی تھیں، اس لئے حدیث کو وحی خفی سمجھا گیا۔ قرآن مجید نے کچھ انبیاء کی، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض لغزشوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مقصد شاید انبیاء کی بشریت کے پہلو کو نمایاں کرنا ہوگا تاکہ دوسرے مذاہب کی طرح مسلمان بھی ان کے اوتار یا خدا نہ سمجھ بیٹھیں۔ قرآن مجید عام انسانوں اور نبی کے درمیان محض وحی اور الہام ربانی کی بنیاد پر امتیاز کرتا ہے١٨۔ کہیں انبیاء کی لغزشوں کا ذکر کرکے ساتھ ہی ناراضگی کا اظہار بھی کیا گیا ہے١٩۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء کے بشری پہلو کو ان کے الہامی و پیغمبرانہ پہلو کی طرح اجاگر کر کے دکھایا گیا ہے۔ بعض احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سے ایک انسان کی حیثیت سے بھول ہو سکتی ہے٢٠۔

---

(١٦) فخرالدین الرازی۔ عصمۃ الانبیاء، قلمی مصور۔ ٢٧٨١۔ المکتبۃ البلدیہ، اسکندریہ۔ ورق ١ (الف) و (ب)۔

(١٧) کتاب الام۔ قاھرہ۔ ١٣٢١ھ۔ ج ٧۔ ص ٢٧١

(١٨) قرآن مجید، ١٨ : ١١٠

(١٩) قرآن مجید ٨ : ٦٨ - ١٧ - ٧٣ : ٦٦ - ١ : ١٠٨٠ - ٨

(٢٠) صحیح البخاری۔ کتاب الصلوۃ۔ کتاب الحدود

پیغام الہی کی تبلیغ میں اگر اللہ تعالی خطا و نسیان سے انبیاء کی حفاظت نہ کرتا تو ان کی امانت مشکوک ہوجاتی، اور کوئی شخص بھی ان کے پیغام کو وحی الہی نہ سمجھتا۔ عقلی طور پر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ آخر ایسے شخص کی اطاعت کیوں کریں جو عام انسانوں کی طرح اپنے عقیدہ و کردار میں غلط راستہ اختیار کرسکتا ہو۔ غالباً اسی قسم کے سوالات عصمت انبیاء کے تصور کے لئے محرک بنے ہوں گے۔ بعد میں علماء کلام نے اس عقیدہ کو پختگی بخشنے کے لئے مزید عقلی و نقلی دلائل فراہم کئے۔ مثلاً اس تصور کی تائید میں یہ بات کہی جاتی ہے، اور منطقی طور پر درست بھی ہے، کہ نبی کا کردار عام انسانوں کے کردار سے بہت بلند ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو عام لوگ اس کی اطاعت نہیں کرسکتے۔ ایک غلط کار اور بدکردار آدمی نبی کیسے بن سکتا ہے۔ عصمت انبیاء کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی گئی کہ انبیاء چونکہ انسان ہوتے ہیں، اور بشری کمزوریاں ان میں بھی ہوتی ہیں، اس لئے بالقوہ ان سے معصیت کا صدور ممکن ہے، لیکن بالفعل نہیں۔ خدا اپنی خصوصی رحمت سے ان کو معصیت سے بچاتا ہے۔ اور معصوم ہونے کا یہی مفہوم ہے۲۱۔ امام ماتریدی کا خیال ہے کہ عصمت کا مقصد یہ نہیں ہے ایک نبی میں، ارتکاب معصیت کی استعداد ہی سرے سے مفقود ہوتی ہے۲۲۔ بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ ارتکاب معصیت کی استعداد ہوتے ہوئے، وہ معصیت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر بھول کر کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کو متکلمین کی اصلاح میں زلة (لغزش) کہتے ہیں، نہ کہ گناہ۲۳۔

---

(۲۱) عبدالقاہر البغدادی۔ کتاب اصول الدین۔ استانبول۔ ۱۹۲۸ء ص ۱٦۹۔ ملا علی القاری۔ شرح الفقہ الاکبر۔ کراچی۔ ص ۷۰-۷۱-۱۲٦

(۲۲) ایضا۔

(۲۳) ابو المنہتی احمد بن محمد۔ کتاب شرح الفقہ الاکبر (الرسائل فی العقائد) حیدرآباد دکن ۱۹۴۸ء ص ۴۸-۴۹۔

قرون وسطی کے کلامی ادب میں عصمت انبیاء کے عقیدہ پر بہت زور دیا گیا۔ اور ان کے کردار کو خیر کا ایک اعلی نمونہ اور مظہر بنا کر پیش کیا گیا تاہم اس میں غلو خود قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے، اور بعض اوقات گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔ امام رازی نے ''عصمة الانبیاء'' کے نام سے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اس میں انھوں نے عصمت انبیاء کے عقیدہ کی تائید میں عقلی و نقلی پندرہ دلیلیں پیش کی ہیں۔ اور قرآن مجید میں انبیاء کی جن لغزشوں کا ذکر ہے ان کی توجیہہ اور تاویل کرتے ہوئے تفصیل سے بحث کی ہے۲۴۔ اپنی تفسیر میں بھی انھوں نے اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۲۵۔ عصمت انبیاء کے سلسلہ میں وہ چار باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اول یہ کہ انسان میں خود ایسا طبعی ملکہ موجود ہو جو اس کی روح کو گناہ کے ارتکاب سے روکتا ہو۔ دوم یہ کہ اطاعت کے فوائد اور معصیت کے نقصانات کا اسے علم ہو۔ سوم یہ کہ اس کے اس علم کو وحی الہی کی تائید حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ خدا نے معمولی لغزشوں پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے، اس لئے وہ ایسی معمولی غلطیوں سے بھی پرہیز کرتا ہو۲۶۔

امام غزالی کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ عصمت سے زیادہ خوش نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں کوئی شخص بھی معصیت سے محفوظ نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں انبیاء کی بعض لغزشوں اور ان کی توبہ و انابت کا ذکر موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے بھی بہ تقاضائے بشری لغزشیں ہوسکتی ہیں ۲۷۔ تاہم عصمت انبیاء کے عقیدہ کو وہ اپنی جگہ اہم سمجھتے ہیں۔ اور اس بات سے منع کرتے ہیں کہ انبیاء کی تنقیص

---

(۲۴) فخر الدین الرازی۔ عصمة الانبیاء۔ قلمی مصور۔ ورق ۳ - ۲۷ -

(۲۵) ملاحظہ ہو تفسیر آیات ۲۰ : ۱۲۱ - ۳۸ : ۲۴ -

(۲۶) فخرالدین الرازی، کتاب محصل افکار المتقدمین والمتاخرین، قاہرہ ۱۳۲۳ھ ص ۱۵۸ - ۱۵۹ -

(۲۷) الغزالی۔ احیاء علوم الدین۔ قاہرہ۔ ۱۹۳۹ء۔ ج ۴ - ص ۹ -

و توہین کی جائے، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی تعریف کا حکم دیا ہے۔ خدا ان کی لغزشوں اور غلطیوں کو اپنی رحمت سے نظر انداز کردیتا ہے۲۸۔ امام غزالی انبیاء کو کبائر سے تو معصوم سمجھتے ہیں، لیکن ان کے خیال میں وہ صغائر کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔ اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۲۹۔

اہل سنت کی طرح شیعوں کے یہاں بھی عصمت انبیاء کا تصور موجود ہے اس کا سبب یہ ہے کہ وہ امام کو معصوم مانتے ہیں، تو انبیاء کو تو بدرجہ اولی معصوم ہونا چاہئے۔ ان کے نزدیک ایک نبی صغیرہ و کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے ۳۰۔ محمد باقر مجلسی نے عصمت انبیاء کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں :

۱۔ خدا نے انبیاء کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ ممکن نہیں کہ انبیاء کی کچھ باتوں کو مانا جائے اور کچھ کو نہ مانا جائے۔

۳۔ جو لوگ یہ سمجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہیں کہ آپ سے بھی گناہ سرزد ہوسکتا ہے، وہ آپ کو دکھ پہنچاتے اور ناراض کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی رو سے (آیت ۳۳ : ۵۷) آپ کو ایذا دینا حرام ہے۔

۴۔ اگر ایک نبی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو لامحالہ وہ اپنے ماننے والوں سے درجہ میں نیچا ہوگا۔ اور یہ ناممکن ہے۔

---

(۲۸) الغزالی۔ المستصفی۔ قاہرہ۔ ۱۹۳۷ء۔ ج ۱۔ ص ۴۸

(۲۹) الغزالی۔ الاقتصاد فی الاعتقاد۔ قاہرہ۔ ص ۱۰۳

(۳۰) ابن بابویہ۔ وصف الامامیہ علی الایجاز۔ تہران۔ ۱۳۷۷ھ۔ ص ۱

۵ - اگر پیغمبر بھی گناہ کرے تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔

۶ - ارتکاب معصیت کی صورت میں ایک پیغمبر خدا کی لعنت، غضب اور سزا کا مستحق ہوگا۔

۷ - اگر پیغمبر بھی گناہ کریں تو وہ خدا کے نافرمان ہوں گے، اور قرآن مجید میں نافرمانوں کی مذمت کی گئی ہے (آیت ۲ : ۴۴)

۸ - قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سوائے متقین کے سب کو گمراہ کر سکتا ہے (۳۸ : ۸۲ - ۸۳) اگر انبیاء بھی خدا کی نافرمانی کریں تو ان کا شمار متقین میں نہ ہوگا۔

۹ - قرآن مجید میں خدا کے نافرمانوں کو ظالم کہا گیا ہے (آیت ۲ : ۱۲۴) اگر پیغمبر بھی نافرمانی کریں تو ان کا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۳۱ -

شیعوں کا بھی یہی خیال ہے کہ انبیاء ارتکاب معصیت کی قوت و صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے۔ البتہ خدا ان کی حفاظت کرتا ہے۔ علامہ مجلسی نے بھی عصمت کے لئے انہی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں ۳۲ -

توریت میں انبیاء کے ''معاصی،، یا خطاؤں اور لغزشوں کا ذکر ہے۳۳ - ان کے کردار کو جس طرح داغدار کرکے دکھلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آسمانی کتاب میں بعد میں کس حد تک تحریف کی گئی ہے۔ انجیل میں صرف حضرت عیسیٰ کو معصوم بتایا گیا ہے۔ ان کے حواری معصوم نہیں ہیں۳۴ - یہ بات واضح رہے کہ پاپائے اعظم، پادریوں اور کلیسا کی

---

(۳۱) ڈونالڈسن عقیدۃ الشیعۃ (عربی ترجمہ) قاہرہ ۱۹۴۶ء - ص ۳۱۶ - ۳۱۷ بحوالہ حیاۃ القلوب۔

(۳۲) ایضا۔ ص ۳۱۹ - ۳۲۰ -

(۳۳) پیدائش - ۳ - خروج ۳۲ : ۳۵ - استثناء ۹ : ۲۰ - گنتی ۱۲ -

(۳۴) لوقا ۱۰ - نیز ملاحظہ ہو Enc. of Religion and Ethics, art. Infallibility

عصمت کا تصور بعد کی پیداوار ھے۳۵ -

رواقی فلسفہ میں حکیم و دانا شخص کو معصوم سمجھا گیا تھا - رواقیوں کا ایک مشہور قول ھے کہ نیکی ایک علم ھے - اور حکیم و دانا شخص سے غلطی ھو سکتی - ۳٦ ھمیں اس سلسلہ میں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جس سے معلوم ھو کہ اسلام میں عصمت کا تصور رواقی فلسفہ سے آیا ھے - اس تصور کے نقطہ آغاز اور اسباب کے بارے میں ھم پہلے گفتگو کر چکے ھیں -

شیعوں کے یہاں عصمت امام پر کلی اتفاق پایا جاتا ھے - عصمت امام کی تائید میں بھی وہ اسی قسم کے دلائل پیش کرتے ھیں جو عصمت انبیاء کے اثبات میں اوپر بیان کئے جاچکے ھیں - قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے عام طور پر اس سلسلے میں استدلال کیا جاتا ھے :

واذا ابتلی ابراھیم ربه بکلمت فاتمهن - قال انی جاعلك للناس اماما - قال ومن ذریتی - قال لاینال عهدی الظالمین - (۲ : ۱۲۴) -

اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراھیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے - خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا - انھوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوابنائیو) - خدا نے فرمایا کہ ھمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ھوا کرتا -

---

(۳۵) ایضاً

(۳٦) Bailey, The Legacy of Rome, Oxford, 1962, p. 253.